ان کی سفید داڑھی میں سے پرندے تلاش کیا کرتی تھی..''

''رئیلی..'' دارا دھیان دینے لگتا کہ وہ جنگلی حیات کی بقاء کی ایک تنظیم سے بھی منسلک تھا'' کس قسم کے پرندے ماما.. کیا ان کی نسل کو کوئی خطرہ ہے؟''

''نہیں بیٹے.. وہ سچ مچ کے پرندے تو نہیں تھے جن کو میں تمہارے پرنانا کی داڑھی کے سفید بالوں میں تلاش کرتی تھی..''

ماما کو تو کسی ''ہوم'' میں داخل کروا دینا چاہیے.. دارا سوچتا..

''ایک داڑھی میں پرندے کیسے ہو سکتے ہیں ڈیئر ماما..''

''نہیں ہو سکتے.. پر ہوئے.. ایک بار..'' نتالیہ لوٹ جاتی.. ان دنوں میں جب وہ رودین کو ایک رجسٹر کے لکیر دار کھردرے کاغذوں پر خط لکھا کرتی تھی اور بابا کی گود میں بیٹھا کرتی تھی'' اتنے پرندے کہ انہوں نے اس حجرے کے گنبد کو بھی بھر دیا جہاں سے بابا پچھلے پچیس برس سے باہر نہیں آئے تھے..''

''کیوں باہر نہیں آئے تھے؟''

''وہ.. وہ ایک سینٹ تھے اور میں ان کی پسندیدہ پُتری تھی۔ لیکن اُن میں وہ پرندہ نہیں تھا جس کو میں دیکھنا چاہتی تھی اور بابا نے کہا کہ پُتری وہ پرندہ تو کبھی نہیں دیکھے گی وہ تیرے نصیب میں نہیں ہے۔''

ماما کو تو پہلی فرصت میں کسی ''ہوم'' میں داخل کروا دینا چاہیے.. یہ تو فریب نظر کا شکار ہیں.. بیمار ہیں..'' ماما آپ اب ریسٹ کریں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں پلیز..''

ماما نہ مانتیں اور اپنی کہاوتیں اور قصے بیان کرتی رہتیں'' تمہارے ماموں جو مجھ سے چھوٹے ہیں اوائل عمری میں ماسکو چلے گئے اور کمیونسٹ ہو گئے.. انہوں نے مجھے روسی ادب سے آشنا کیا..''

''رئیلی...'' دارا پھر حیرت زدہ ہوتا اور اس کے پاس اظہار کے لیے صرف یہی لفظ تھا'' رئیلی..''

''ہاں. تمہارے چے گویرا کی مانند..''

''وہاؤ..''

''اور تم جانتے ہو کہ راولپنڈی میں ایک کانونٹ تھا جس کے برآمدوں میں چلتے ہوئے.. باغ میں فوارے کے قریب نصب عیسیٰ کے مصلوب مجسمے کی قربت میں.. میں نے خواہش

کی تھی کہ کاش میں بھی ایک نن بن سکوں..''

''تو کیوں نہ بنیں ماما..'' دارا اب باہر جانا چاہتا تھا' اپنے دوستوں کے پاس' ان کی بدنی خواہش کے پاس..

''ہمارے مذہب میں اس کی گنجائش نہ تھی اس لیے..''

''ماما آپ ریسٹ کریں..''

دارا بیزار ہو کر پھر کہتا اور نتالیہ کا ہاتھ اپنے سینے تک آتا..چاندی کی صلیب کی ٹھنڈک کو محسوس کرتا..اور وہ شادی کی پہلی شب کے اس سانحے کو یاد کرتی جس کے نتیجے میں اسے طلاق ہو سکتی تھی.

اس شب..جب کہ وہ اپنے رودین کی نادیدہ چاہت کی حماقت میں مبتلا اور گرفتار تھی..وہ جن جو ایک سید زادی پر آیا ہوا تھا' اس کی مدد کو نہ پہنچا..وہ جو اس کے تن بدن کا مختار تھا' اپنا حق وصول کرنے کے لیے نہ آیا تو ناصر بخاری نے اسے بے لباس کیا..حسب روایت اندھیرے میں..اور اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل میں حاصل کردہ نئی نویلی دولہن کو روندتے ہوئے اس نے اپنے سینے پر..ایک اور سینے کو ہموار کرتے ہوئے ایک آہنی ٹھنڈک محسوس کی..جو اس صلیب کی تھی جسے اس نے کوئی لاکٹ یا زیور سمجھا اور جذبے کی نابینائی اور وحشت میں اسے گلے سے اتار نہ سکا..

تاریکی میں اس نے اس کی بناوٹ کو پرکھا پھر ٹیبل لیمپ آن کر کے اس شے کو دیکھا..

''تم کیسی عورت ہو..'' وہ ہذیان میں مبتلا چیخنے لگا..''ایک سید زادی اور یہ کفر..''

اس نے عقیدے کی پائمالی کی بے اختیار لرزش سے زنجیر کو نوچ کر پرے پھینک دیا اور ناآسودگی میں ہانپنے لگا''تم کیسی عورت ہو؟''

دارا بوریت اور بیزاری سے اپنی ماما کو دیکھتا رہتا جو اپنی فیملی ہسٹری بیان کرتی کرتی اپنے بھائی تک آئی تھی اور پھر بہت دیر تک خلا میں تکتی کبھی مسکراتی کبھی منہ بناتی چپ بیٹھی تھی اور جانے کہاں پہنچی ہوئی تھی..

''ماما اگر کرسچن نیٹی آپ کو اتنی فیسی نیٹ کرتی تھی تو آپ کرسچن کیوں نہ ہو گئیں... کیوں نہیں...''

''مجھے صرف نن ہو جانا فیسی نیٹ کرتا تھا اور یہ صلیب...توبہ توبہ میں اپنا مذہب بدلنے کا

تو سوچ بھی نہیں سکتی۔۔''

دارا کسی حد تک ایک پرابلم چائلڈ تھا۔۔ یعنی اپنے ماں باپ کی حد تک۔۔ ورنہ اس معاشرے میں وہ ویسا ہی نارمل تھا جیسے اور لوگ نارمل ہوتے تھے۔۔ زینب اپنی پڑھائیوں میں دیگر ہم جماعتوں کی نسبت بہت برتر اور روشن دماغ لڑکی تھی اور اس نے مزید ریسرچ کے لیے مذہبی تقابل کا شعبہ چنا تھا۔۔ یہ اس کے لیے بہترین راستہ تھا کیونکہ وہ نام کی سہی مسلمان تو تھی۔۔ وہ اپنی ماما کے ساتھ طویل انٹرویوز ریکارڈ کر کے مسلم کلچر کے بارے میں ایک مبسوط تھیسس تیار کر سکتی تھی۔۔ معاشرہ اگرچہ بنیادی طور پر لامذہب تھا لیکن اس کے آس پاس تقریباً ہر مذہب کے افراد پائے جاتے تھے جن کے ساتھ روابط زندگی کو نہایت دلچسپ اور بامعنی بنا سکتے تھے۔۔

لیکن دارا پڑھنے کی جانب قطعی طور پر قائل نہ تھا۔۔ اس نے بمشکل ہائی سکول کلیئر کیا اور وہ لڑکیوں کی جانب بھی مائل نہ تھا۔۔ وہ صرف لڑکوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا ان سے قریبی تعلق جوڑنے کا متمنی تھا۔

اس خصلت میں وہ کوئی جھجک نہ رکھتا تھا۔۔

نتالیہ کے لیے وہ ایک معمول کا بچہ تھا۔۔ اگر وہ پاکستان میں پیدا ہوتا تو شاید معمول کا ہی رہتا لیکن وہ بھی تو زینب کی مانند۔۔ کہ ان کے باپ نے ہی اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں سے قطع تعلق کر کے امریکی اقدار سے ناتا جوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔۔ دارا بھی ایک تھارو بریڈ امریکی تھا' اس لیے اپنی جدا خصلت میں کوئی جھجک نہ رکھتا تھا بلکہ ہر موقع پر ہر جگہ اور بے وجہ۔۔ بغیر کسی ضرورت کے اپنے مختلف ہونے کا اعلان بڑے فخر سے کرتا رہتا تھا۔۔ اور اکثر اپنی ماما کو اس بحث میں الجھانا چاہتا تھا کہ اگر وہ معمول کی مروجہ اقدار کے برعکس ایک غیر معمول کی جانب راغب اور مائل ہے تو اس میں اس کا تو کوئی دوش نہ تھا۔۔ یہ ایک قدرتی عمل تھا۔۔ اگر جینز کی آمیزش میں اس کی بظاہر مردانگی کے اندر نسوانیت کے جرثومے تیرتے تھے تو اس اتھل پتھل میں وہ بری الذمہ تھا۔۔

اور نتالیہ اس کی باتیں سن کر زیر لب وظیفے دہراتی تھی۔۔ اپنے رب کی مدد چاہتی تھی۔۔ توبہ استغفار کرتی اسے ڈانٹتی تھی۔۔ ''دارا۔۔ پلیز شٹ اپ۔۔''

''آپ کو حقائق کا سامنا کرنا پڑے گا ماما۔۔'' دارا ذرا لچک کر کندھے سکیڑتا اور واک آؤٹ کر جاتا۔۔

وہ اپنے باپ کے ساتھ اس موضوع پر بحث کرنا وقت کا زیاں سمجھتا تھا کیونکہ وہ بہت

تیزی سے طیش میں آ جاتے تھے.. یوں بھی ان دونوں کی ملاقات ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی کم کم ہوتی تھی..اور دارا اپنے باپ کو اپنی ذہنی سطح سے کمتر بھی جانتا تھا اور یہ جانتا تھا کہ..وہ نہیں سمجھ سکے گا..اگرچہ ماما بھی اس قابل تو نہیں تھیں مگر وہ ہمہ وقت گھر پر موجود ہوتی تھیں اور وہ محسوس کرتا تھا کہ کہیں گہرائی میں وہ اس کے ساتھ.. باپ کی نسبت زیادہ محبت کرتی ہیں..کم از کم وہ اپنے غصے پر اختیار رکھتی تھیں اور اس کے دلائل سن کر صرف یہ کہ ان کا رنگ پیلا پڑ جاتا تھا اور وہ کسی افریقی جادوگر کی مانند جانے کیا ممبو جمبو زیرلب دہرانے لگتی تھیں..

گے بارز..گے ریستوران اور گے جمگھٹے...

دارا گے رائٹس کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے ہر اس مظاہرے میں شامل ہوتا جو ان حقوق کو منوانے کے لیے شہر کے بازاروں میں پلے کارڈ اٹھائے نعرے لگا رہا ہوتا..اکثر مظاہرین عورتوں کے ملبوسات زیب تن کیے ہوتے..اور کچھ کی جینوں کی پشت بلکہ اس کی بھی.. برہنہ ہوتی..

دارا کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ''گے بال آف فیم'' میں اپنی پورٹریٹ آویزاں دیکھنا تھی..

سکینہ ابھی صرف آٹھ برس کی تھی لیکن ایسی باتیں کرتی تھی جو بیک ہوم اٹھارہ برس کی لڑکی بھی نہیں کرتی تھی..وہ اکثر ماما سے..اسے چھیڑنے کی خاطر..اپنی طرف سے محبت اور مزاح کا اظہار کرنے کی خاطر یہ پوچھا کرتی تھی کہ ماما آپ نے اور ڈیڈی نے جب لومیکنگ کی تھی تو اس لمحے آپ کو تو نہیں پتہ تھا کہ میں پیدا ہو جاؤں گی..پیدائش تو محض ایک حادثہ ہوتا ہے..کیوں ماما..؟

بخاری صحیح معنوں میں ایک رولنگ سٹون تھا جو اپنے وجود پر کائی جمع نہیں ہونے دیتا..

شادی کے اوّلین ایام میں وہ ایک ایسا باز بہادر تھا جس نے درجنوں سور ماؤں کے مقابلے میں روپ نگر کی روپ متی کو جیت لیا تھا۔آستانہ رومی کی سب سے خوش شکل کومل اور کچی شہزادی کو حاصل کر کے روند دیا تھا..اگرچہ وہ اس کی قریبی عزیزہ تھی لیکن قبیلے کے بہت سے نوجوان..اس سے کہیں زیادہ پڑھے لکھے اور وجیہہ اس کے حصول کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے بیٹھے تھے لیکن جیت اسی کی ہوئی تھی..

چاندی کی صلیب کے سانحے نے اگرچہ اسے بے حد ڈسٹرب کیا تھا لیکن جب وہ پگھلتے ہوئے لاوے کے بعد ٹھنڈا ہوا تھا تو اس نے نتالیہ سے شادی کے نتیجے میں اپنے قبیلے میں

یکدم برتر ہونے کے فائدے کو نظر میں رکھا.. اور اگلی سویر جب قاعدے کے مطابق اس کی پچھلی شب کی مردانگی کے مظاہرے کے آگے ہتھیار ڈالے ایک شرمیلے.. سرخ آنکھیں جھپکتے.. انہیں جھکائے.. شرمیلے چہرے کی بجائے ایک زاروقطار روتی.. بیہوشی میں اترتی ایک لڑکی سے سامنا ہوا تو اس کے سب رشتے دار یہاں تک کہ اس کی اپنی ماں بھی اسے لعن طعن کرنے لگی کہ تم نے پچھلی شب اس بچی سے کیا زیادتی کی ہے تو وہ اور زیادہ ڈسٹرب ہو گیا..

یقیناً اُس پر جنات کا سایہ تھا..

اگرچہ ایک سید زادی پر جن نہیں آ سکتے لیکن شب عروسی کے بعد اگلی سویر اس کا ہچکیاں بھر بھر کے رونا اور نڈھال ہونا اس بات کی علامت تھے کہ اس پر جنات کا سایہ تھا..

اس پر بہت کچھ پھونکا گیا.. بہت کچھ پڑھا گیا..

یہ جانے بغیر کہ اس پر جو جن آیا ہوا ہے اس کی نوعیت کیا ہے..

چند روز تو یونہی جھاڑ پھونک میں گزرے اور جب رشتے داروں کا.. سسرال والوں کا ہجوم چھٹ گیا.. تو ایک رات باز بہادر نے اپنی بہادری کا اپنے تئیں بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے اکھڑتے سانسوں اور پسینے میں پھسلتے ہوئے اسے خبردار کیا ''اب ڈرامہ بازی بند کرو.. جنات پر مجھے یقین نہیں ہے.. اور یہ بھی یقین ہے کہ آستانہ رومی میں تم پر کسی غیر مرد کا سایہ بھی نہیں پڑ سکتا تھا.. یہ ڈرامہ بازی صرف اس لیے ہے کہ تمہیں بابا نے کانونٹ بھیج دیا تھا اور سوان نے روسی ادب کی کتابیں بھیج کر تمہارے ذہن کو آلودہ کر دیا تھا.. مجھے ایک کمیونسٹ بیوی پسند نہیں.. کل صبح تم نے میرے کپڑے استری کرنے ہیں.. بوٹ چمکانے ہیں اور میرے لیے ناشتہ تیار کرنا ہے.. اور مجھے مکھن کے ساتھ تہہ دار دیسی گھی کے پراٹھے پسند ہیں..''

وہ اگرچہ دبی ہوئی.. سسکتی ہوئی تھی لیکن اس کے بوجھ کے باوجود اس نے کمال معصومیت سے کہا تھا.. مجھے پراٹھے بنانے نہیں آتے.. میں نے آج تک چولہے کی شکل نہیں دیکھی.. یہ کام تو نوکرانیاں اور مریدنیاں کرتی ہیں..

''اب تم کرو گی..'' اس نے آخری ہچکی لے کر حکم صادر کر دیا تھا کہ اب وہ ایک مجازی خدا تھا..

آستانہ رومی سے اٹھا کر وہ اسے اُردن لے گیا تھا.. جہاں وہ ایک معمولی موٹر میکینک تھا.. ایک فلسطینی کی ورکشاپ میں دن بھر تیل پانی بدلتا تھا.. کاریں دھوتا تھا اور انہیں پالش کرتا تھا..

اگر چہ اس نے ''بابا'' کو یہی باور کروایا تھا کہ وہ رائل جارڈن ایئر فورس میں گراؤنڈ انجینئر ہے.. بابا اگر چہ دلوں کا حال جانتے تھے لیکن ان کی پر خلوص عبادت اور روحانیت اُردن پہنچ کر اس باز بہادر کی اصلیت جاننے سے قاصر تھی..

ان کی سفید ریش میں سے بے شک چھوٹے چھوٹے منی ایچر پرندے برآمد ہو سکتے تھے لیکن ان میں کوئی ایسا پرندہ نہ تھا جو اُردن جا کر انہیں اصل صورتحال کے بارے میں آگاہ کر سکتا..

اردن اور پھر سرسبز چراگاہوں کی ہوس میں امریکہ..

زینت کے بعد.. امریکہ میں دارا اور پھر سکینہ جنہوں نے نتالیہ کے بیچ میں سے اپنے سر نکالے تھے..

یہ نہیں کہ ان تینوں کے ورود کے بعد ناصر بخاری نے افزائش نسل کی تمنا.. بلکہ تگ و دو ترک کر دی تھی.. نتالیہ پر اپنی مردانگی کا بوجھ نہیں ڈالا تھا.. ہر ویک اینڈ پر ڈالا تھا.. لیکن.. اس میں نتالیہ کے اندرون میں.. شاید بوجھ کی زیادتی سے.. شاید ایک قدرتی عمل کے نتیجے میں.. کسی خرابی نے جنم لیا تھا اور وہ زینب' دارا اور سکینہ کو تو سنبھال سکی تھی لیکن اب اس کے بیج کو سنبھالنے سے قاصر تھی.. جیسے دارا کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا' ایسے نتالیہ کی کوکھ اگر اس کے بیج کو نہیں سنبھال سکتی تھی تو وہ بھی بے قصور تھی..

بیج چند روز ٹھہرتا..

وہ حاملہ ہو جاتی..

اپنے چوتھے بچے کے خواب دیکھنے لگتی..

اور پھر کسی ایک صبح اس کے بستر کی چادریں خون سے بھر جاتیں..

بیج کچھ روز تو ٹھہرتا پھر ضائع ہو جاتا تھا..

اسے اتنا صدمہ ہوتا کہ وہ کئی روز تک بستر سے لگی رہتی.. وہ اس بچے کے دھیان میں رہتی جس نے اس کی کوکھ میں بسیرا کرنا تھا اور وہ اپنی جان پہچان کروائے بغیر معدوم ہو گیا تھا.. شدید بخار میں پھنکتی رہتی اور اس کے نقش و نگار جن کی تکمیل نہ ہو سکی تھی' انہیں یاد کر کے روتی رہتی.. کبھی وہ نام یاد کرتی جو اس نے اس کے لیے سوچ رکھے تھے اور کبھی اس کی ناک کی بناوٹ اور آنکھوں کی سیاہی کا ماتم کرتی جو اس کے نصیب میں نہیں تھی.. اور جب ایک چیک اپ اس معمے کو حل کرنے کے لیے ہوا کہ تین بچے پیدا کرنے کے بعد اب اس کے رحم میں ایک جرثومہ کیوں قیام

نہیں کرتا..زائل کیوں ہو جاتا ہے تو ڈاکٹروں نے درجن بھر ٹیسٹ جو لکھ دیئے جن کے نتیجے میں یہ کھلا..یہ سامنے آیا کہ اسے یوٹرس کا کینسر ہے..

اور وہ ہراساں ہو گئی..

اپنی بیڈ ٹیبل پر رکھے فون کو اٹھا کر رودین کے نمبر کو ڈائل کرنے پر مجبور ہو گئی..

آس پاس..موت کے بلاوے کے بعد کوئی اور ڈھارس نہ تھی..

زینب مذہبی تقابل کے وسوسوں میں گم تھی اور نہیں جانتی تھی کہ اس کی ماما کیوں اپنے مذہب اور نسل کو سپریئر گردانتی ہیں..

دارا اپنے تازہ ترین افروامریکی دوست کی لذت میں گم تھا..

سکینہ..لاعلم تھی کہ آس پاس کیا ہو رہا ہے..اسے کارٹون چینل سے ہی فرصت نہ ملتی تھی..اور بخاری میامی بیچ کی قربت میں ایک ایسا گھر دیکھ آیا تھا جو اس کے خوابوں کا گھر تھا..وہ دن رات اسی ہذیان میں مبتلا رہتا' حساب کتاب کرتا رہتا کہ میں کیسے اور کون کون سے قرضے حاصل کر کے اس گھر کا مالک بن سکتا ہوں جس کی لوکیشن کمال کی تھی اور ہمسائیگی ساری کی ساری گورے لوگوں کی تھی..

چنانچہ آستانہ رومی کی نتالیہ کینسر وارڈ میں تنہا پڑی تھی..

.

صرف عشق..ہمہ وقت کی زندگی بھر کی موجودگی کا متبادل نہیں ہو سکتا..

وہ رفاقت چاہتا ہے..ایک مسلسل نزدیکی چاہتا ہے..دیکھنا چاہتا ہے کہ جو اس کے لہو میں ایک پرندے کی طرح تیرتا ہے اس کا چہرہ..رات کو منہ کھولے بے شک خراٹے لیتے ہوئے..ان دھلا..کبھی ستھرا..کبھی غصے میں..بیگانگی اور عارضی نفرت میں..کیسا لگتا ہے..

نتالیہ کے اندر یہ آرزو اتنی شدت سے پلتی تھی کہ وہ اب تک ایک ایسے تناور درخت کی صورت اختیار کر چکی تھی جس کی جڑیں پھیلتی ہوئی اس کے بدن کے مساموں سے باہر پھوٹتی تھیں..شاید نہیں' یقیناً عشق تو برقرار رہتا لیکن آرزو کی یہ شدت جنم نہ لیتی' اگر اس کی شادی شدہ زندگی سراسر پاکستان میں بسر ہوتی..اسے بے شک ایک جھگڑالو خاوند مل جاتا..ایک حکم چلانے والا ساتھی نصیب میں آ جاتا..اس کی اولاد اس کی سہیلیوں کی آل اولاد کی مانند معمول کے مطابق ہوتی..تو بھی وہ گزارہ کر لیتی..

گزارہ تو وہ ان حالات میں بھی کر رہی تھی لیکن وارڈ میں تنہا پڑے اور موت کے ڈر سے یکدم اُسے دیکھنے کی آرزو کی شدت نے جنم لیا تھا۔ تنہائی اور بیگانگی نے زخم ہرے کر دیئے تھے۔۔

''نہیں، تمہاری آواز کٹ کٹ کر آ رہی ہے۔۔''

''میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں بہت فاصلوں پر ہوں، بہت دوری ہے جہاں سے میں بول رہی ہوں۔۔ لیکن۔۔ میں یہیں ہوں۔۔''

''تم یاد ہو۔۔ لیکن کہاں ہو۔۔؟''

''میں نہیں جانتی، صرف یہ کہ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں، کیا تم مجھے مل سکتے ہو؟''

''اگر تم کہیں آس پاس ہو تو۔۔''

''میں تمہارے آس پاس آ جاؤں گی۔۔ جہاں میں ہوں وہاں محض انتظار ہے۔۔''

میں اسے کسی بھی لمحے ترک کر کے آ سکتی ہوں۔۔ اگر تم مل سکتے ہو تو۔۔''

یہ کیسا خط کہاں سے آ گیا ہے؟

محمد علی ڈاکیے کے توسط کے بغیر آ گیا ہے۔۔

نہیں۔۔ اس ڈاکیے اور اس کے پوسٹ ماسٹر۔۔ جس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا تھا یہ خط۔۔ یہ پیغام اسی کے توسط سے آیا تھا اگر ہم غور کرنے والوں میں سے ہوں۔۔

جولاہے کے کھیس کو مکمل کرنے کے دن اس کی منشا سے قریب آ رہے تھے۔۔

نتالیہ کی رودین کے لیے فون کے چونگے میں پہلی ''ہیلو'' کا اذن اس نے دیا تھا۔۔

وہ کسی بھی لمحے اپنا آس پاس ترک کر کے اس کے آس پاس میں پہنچ سکتی تھی.. انتظار ترک کر سکتی تھی.. اس نے تہیہ کر رکھا تھا لیکن اُس اولین ''ہیلو'' کے تیسرے روز ہی اسے سٹریچر پر لٹا کر آپریشن تھیٹر کی جانب لے جایا گیا.. آپریشن سے پیشتر درجنوں کاغذات پر اس کے دستخط لیے گئے کہ وہ یہ آپریشن اپنی رضا و رغبت سے کروا رہی ہے اور کسی قسم کی کوئی بھی خرابی یا موت ہو جانے کی صورت میں ہسپتال ذمہ دار نہیں ہوگا.. وہ یا اس کی موت کی صورت میں لواحقین ہرجانے کا دعویٰ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے.. اگرچہ آپریشن معمولی نوعیت کا تھا' اسے غیر معمولی نتالیہ کے ہراس اور ڈر نے بنا دیا تھا..

آپریشن سے پیشتر ہسپتال کے عملے نے اس کو یہ گنجائش دی تھی کہ وہ اگر چاہے تو اپنے عزیز و اقارب کو اطلاع کر دے..

نتالیہ نے یہ نہ چاہا..

وہ زینب.. دارا.. سکینہ اور ناصر بخاری کی زندگیوں میں خلل نہیں ڈالنا چاہتی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس سے ہمدردی رکھتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ.. ماما کا آپریشن آج ہی ہونا تھا.. اس کے پاس ایک بُوکے لے کر پہنچنا تو چاہیے.. وہ انہیں مجبور نہیں کرنا چاہتی تھی..

یہ ایک معمول کا آپریشن تھا سو ہو گیا..

اس نے بیہوشی سے باہر آتے ہوئے جب آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں تو سب سے پہلے اسے کھڑکی کے آگے تنے پردے پر گل لالہ لرزتے ہوئے نظر آئے.. اس نے اپنے بدن کو ٹٹولا.. وہ سلامت تھی اور زندہ تھی..

اور اسے حیرت ہوئی کہ وہ زندہ ہے..

بعد میں بچوں نے سخت شکایت کی..اس سے روٹھ گئے کہ ماما آپ نے بتایا کیوں نہیں' آپ کو ہم پر اعتماد نہیں..

اور بخاری نے شدید ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا..اگرچہ میں مصروف تو تھا لیکن اتنا وقت تو نکال سکتا تھا کہ آپریشن تھیٹر میں لے جاتے ہوئے میں تمہارے ساتھ ہوتا..سٹریچر کو تھامے ہوئے تمہارے ساتھ ساتھ چلتا..میں تمہارا خاوند ہوں' میرا حق ہے تم پر..تم نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے کیونکہ تم مجھے ناپسند کرتی ہو ورنہ شادی کے اگلے روز بے ہوشی اور رونے دھونے کے ڈرامے نہ کرتیں..

اس نے ان شکایتوں اور الزامات کے جواب میں کچھ نہ کہا..مسکراتی رہی..

''انہوں نے یکدم آپریٹ کرنے کا فیصلہ کیا تھا..ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ..''

وہ ایک گہرے آسودگی بھرے اطمینان میں تھی..

اس نے کھڑکی کے آگے تنے پردے پر نقش گل لالہ سے مستقبل کی فال نکال لی تھی..

آسودگی بھرے اطمینان کا باعث پاکستان تک کا وہ ون وے ٹکٹ تھا جو اس کی چاندی کی صلیب..جسے آپریشن سے پہلے اتار لیا گیا تھا' اس کی ہمسائیگی میں ہی ایک لفافے میں بند اس کے بدن پر دستکیں دیتا تھا..رودین..رودین!

''تم اب تک پچیس برس گزر جانے کے باوجود بھی..میرا غم کرتی ہو۔''

وہ اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا..

جتنے بھی خط لکھے جا چکے تھے..سینکڑوں صفحات پر مشتمل جو تحریریں تھیں اُن میں سے اُس کی شکل کا جو بھی خاکہ بنایا جا سکتا تھا وہ اس سے بالکل مختلف اور جدا تھی..

آصف جاہ کے مقبرے کے اُس گنبد پر جس کی نیلی ٹائلیں کب کی اکھڑ کر گر چکی تھیں اور اس کی نیلی ٹائلوں کے نیچے پوشیدہ وہ اینٹیں جو نہیں جانتی تھیں کہ کبھی آیندہ زمانوں میں نیلاہٹ کی یہ سحر طراز چادر ہمارے بدصورت چہرے سے اتر جائے گی..لاہور کی کڑی دوپہر میں نمایاں ہو رہی تھیں اور ایک گدھ اینٹوں کو جوڑنے والے چونے کی سفیدی میں اپنے پنجے جما کر وہاں کچھ دیر ستانا چاہتا تھا اور بار بار پھڑ پھڑا کر اٹھتا تھا اور پھر بیٹھ جاتا تھا..اس گنبد سے پرے فوآروں کے خشک چہروں کے آخر میں جو ایک بلند مسمار ہوتا محراب دار دروازہ تھا' وہ دونوں اس کی بُھربُھری محرابوں میں سے ایک میں آمنے سامنے بیٹھے تھے..

مقبرہ جہانگیر میں تو لوگوں کا ایک اژدھام ہوتا تھا' لیکن اس کے پہلو میں آصف جاہ کی قبر پر جو ننگی اینٹوں کی ویرانی اور بے چارگی تھی..اس جانب کوئی نہیں آتا تھا..محراب دار دروازے کے دوسری جانب آبادی کے جمگھٹے کی بھول بھلیوں میں سے نکل کر ایک ریلوے لائن تھی' جس کے پار آصف جاہ کی ہمشیرہ کا بے چراغ مدفن تھا' جہاں دن کے وقت بھی شب کی سیاہی کا سماں ہوتا تھا..

وہ اُسے پہلی بار دیکھ رہا تھا..

اس کے رُومی سیدی چہرے کو پہلی بار دیکھ رہا تھا..

ایک سراسر اجنبی.. ان دیکھے اُس چہرے کو دیکھ رہا تھا جس کے خدوخال ایک عام سے منشیوں والے رجسٹر کے فُل سکیپ لکیر دار کاغذوں پر لکھے گئے ہزاروں حروف سے تشکیل ہوئے تھے..

حرف اور حقیقت میں زمین آسمان کا فرق تھا..

تپتی دوپہر جو ڈھل رہی تھی اس کے رینگتے ہوئے سایوں میں وہ ایک ڈھلتی عمر کی قدرے سلیٹی رنگ میں اترتی سفید رنگت کی عورت کو دیکھ رہا تھا' جس کی سفیدی میں اس کی سلگتے کوئلوں ایسی آنکھیں دھری تھیں.. جن پر عمر کی ہلکی راکھ اتر رہی تھی.. اور اس کی اب تک پرکشش ڈھلکتی چھاتیوں کے درمیان.. جنہوں نے تین بچوں کے پیاسے ہونٹوں کو ان میں سے دودھ کشید کرنے کی لذت سے آشنا کیا تھا.. ان ڈھلکتی چھاتیوں کے درمیان چاندی کی وہ صلیب اب بھی کاٹن کی قمیض کے اندر پوشیدہ ہونے کے باوجود اس کے سانسوں کے زیر و بم کے ساتھ کبھی ابھرتی تھی اور کبھی ان میں ڈوب جاتی تھی..

وہ قابل فہم طور پر اپنی دنیا.. بال بچے اور خاوند ترک کر دینے کے بعد ایک انجانے مستقبل میں اپنی منشا سے کود جانے کے باوجود ابھی تک نہیں جانتی تھی کہ اس کا فیصلہ ہر شے تیاگ دینے کا' درست ہے یا نہیں..

تو اس کے چہرے اور ہونٹوں میں ایک لرزش تھی.. جو انہی زمانوں کی تھی جب اس کے لمبے بنگالی بال سوکھتے نہ تھے اور وہ انہیں جھٹک جھٹک کر سکھاتی تھی اور ایک رودین اَن دیکھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور لرزش تخلیق کر دیتا تھا.. بال اب گھنے نہیں رہے تھے اور رنگنے کے باوجود بے جان لگتے تھے.. نتالیہ پژمردہ اور تھکی ہوئی دکھائی دیتی تھی.. وقت سے پہلے بوڑھی ہو چکی تھی..

''کہا تو مجھے یہی گیا تھا کہ میری ناف میں ایک آلہ داخل کر کے اس گروتھ کو الگ کر دیا جائے گا لیکن مجھے بعد میں علم ہوا کہ میرے اندر کی آواز جو تشخیص کرتی تھی' وہی تھی.. گروتھ پھیل چکی تھی' چنانچہ میرے علم میں لائے بغیر انہوں نے یوٹرس کو نکال دیا.. اور میں ایک عورت کی حیثیت سے یہ شناخت کھو کر بیکار ہو گئی.. ٹکٹ تو میں نے بہت پہلے ارینج کر لیا تھا لیکن ہسپتال سے آنے کے بعد میرے گھر اور اس میں میرے بچوں سے متعلق سامان اور تصویروں نے میرے پاؤں پکڑ لیے.. ان سے مکمل طور پر تعلق توڑ دینے کے خیال سے مجھے ہول آنے لگا.. میرے اندر اسی ڈر نے پھر

سے جگہ بنالی جو کینسر کی خبر سن کر میری چھاتی پر براجمان ہو گیا تھا..اب مجھے گھر چھوڑنے سے ڈر لگتا تھا..میں نے بہت سی بے خواب اور تذبذب میں بھری راتیں گزاریں..کبھی میں ایک نو بیاہتا لڑکی کی مانند ناصر بخاری سے التجائیں کرتی کہ وہ مجھے صرف چند روز کے لیے آستانۂ رومی بھیج دے..میں بابا کا مقبرہ دیکھوں گی..اُن کی قبر کے سرہانے کچھ دیر بیٹھوں گی..سو ان سے ملوں گی..ماں باپ کی قبروں پر مٹی ڈلواؤں گی اور لوٹ آؤں گی..اس نے کبھی میری التجا دھیان سے نہ سنی اور ہمیشہ کبھی کروٹ بدل کر ٹیبل لیمپ کی جانب منہ کر کے بے دھیانی میں بڑبڑاتا کہ..کیا کرو گی جا کر..شاید اگلے برس..اکٹھے چلیں گے..اور کبھی کام پر جاتے ہوئے کافی کا آخری گھونٹ حلق سے اتارتے..گھڑی پر نظر رکھتے گھر سے نکلتے ہوئے..وہی حکمِ حاکم..''نہیں''..اور میں تصویروں' بچوں کے ملبوسات اور گھر کے بندھنوں میں بندھی ہوئی ہونے کے باوجود تمہیں دیکھنا چاہتی تھی..کہ زندگی جس ڈگر پر چل رہی تھی' اس میں سوائے صبح شام کرنے کے..بچوں کے نمودار ہوتے پھر اوجھل ہوتے چہروں اور ناصر بخاری کی بے اعتنائی جو مجھے ایک ذی روح کی بجائے ایک شے سمجھتی تھی..کے سوا اور کچھ نہ تھا..مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تم محض مروت کے مارے مجھ سے بات کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ہاں تم یاد ہو..یا سچ مچ تمہارے وجود کے اندر اس رجسٹر کے لکیر دار کھردرے کاغذ پر لکھے ہوئے حروف ابھی تک قابلِ شناخت ہیں یا ان کی سیاہی کو کاغذ کا کھردرا پن جذب کر کے انہیں معدوم کر چکا ہے اور میری فون کال نے ان میں سے کچھ حروف کو یاد کے تہہ خانے میں سے نکال کر انہیں معافی دینے کی کوشش کی ہے..محض مروت برتی ہے..چنانچہ یہ بہت بڑا رسک تھا جو میں نے لیا..''

''اور اب...''

سفیدی میں سلگتے کوئلوں کی مانند دھری نتالیہ کی آنکھوں نے اپنے سامنے بیٹھے اُس رودین کو دیکھا..جو ہمیشہ ایک اَن دیکھا تھا..اور وہ بھی اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی..وہ اس سے عمر میں کئی برس بڑا تھا..

عمروں کا یہ تفاوت ان زمانوں میں..جب اس کے بنگالی بال سوکھتے نہ تھے اور وہ ترگنیف کے زیرِ اثر تھی' پوشکن کی شاعری کی طرح دل آویز اور رومان پرور تھا..لیکن پچیس برس بعد ان کے درمیان برسوں کا فاصلہ بہت بڑھ گیا تھا..وہ اسے نہایت دقت سے ''تم'' کہتی تھی ورنہ وہ ''آپ'' کہلانے کے لائق تھا..وہ قدرے کھویا ہوا ابھی تک اپنے ناک نقشے کو سلامت رکھے..

بوڑھا تھا..وہ دیکھ سکتی تھی کہ مقبرہ آصف جاہ کی اس تپتی دوپہر کی چندھیائی ہوئی روشنی میں..اگرچہ اس نے صبح شیو کی ہوگی..پھر بھی اس کے ڈھلکے ہوئے رخساروں پر سفید روئیدگی چمکتی تھی اور اس میں کہیں بھی سیاہی کا کوئی نشان نہ تھا..اس کا پیٹ بڑھ چکا تھا..مسلسل باتیں کرتے ہوئے سانس پھولتا تھا..سر کے بال اتنے چھدرے ہو چکے تھے کہ دوپہر کی دھوپ اُن کے اندر جا کر لشکتی تھی..آنکھوں میں ایک مردنی تھی اور وہ منہ کھولتا تھا تو کچھ خلا دکھائی دیتے تھے..دانت جتنے بھی رہ گئے تھے ان پر زردی اور گھن کی تہیں تھیں..

کیا رودین ایسے ہی ہوتے ہیں..یا ہو جاتے ہیں..صرف ناتجربہ کاری اور تخیل کا دھوکا انہیں ایک من پسند روپ دے دیتا ہے..ان کا وجود صرف ایک خانقاہی ماحول کی گھٹن میں ہی پرورش پاتا ہے اور وہ صرف حرفوں میں ہی سانس لیتے ہیں..دن کی روشنی اور حقیقت انہیں مردہ کر دیتی ہے..

پولونیک سویٹر کے باوجود اس کے گلے کی جھریاں کروٹیں بدلتیں..وہ بات کرتا تو وہ کروٹیں بدلتیں..نمایاں ہونے لگتیں..

اور اس کے باوجود وہ بُت جو اس نے پچیس برس پیشتر اپنی اُن انگلیوں سے تراشا تھا' جن کے پپوٹوں میں سے مریدنیوں کے بوسوں سے منتقل ہوتی لہسن اور پیاز کی بو آتی تھی..ابھی تک کسی نگاہِ غلط انداز کی بدولت..کسی ایک بے وجہ مسکراہٹ کے باعث اور کسی ایک حرف کی ادائیگی کی دل کشی کی وجہ سے..وہ بُت اب بھی پرستش کے لائق لگتا تھا..

وہ جن جو پچیس برس پیشتر ایک سیدانی پر آیا تھا' اس میں اب بھی کہیں ایک رمق تھی آنے کی..عمر کا تفاوت مٹا دینے کی..اسے اسیر کرنے کی..اگرچہ وہ ایک عمر رسیدہ جن تھا' لیکن ابھی اس کا کچھ سحر اثر کرتا تھا..

''اور اب..'' عمر رسیدہ جن نے پھر سوال کیا..

''تمہیں یوں ننگی روشنی میں پہلی بار اپنے سامنے پا کر..میں کچھ مایوس ہوئی ہوں..مجھے کچھ دھچکے لگے ہیں..میرے ذہن میں تم کچھ اور تھے..اور تم..کچھ اور ہو..''

آصف جاہ کے مقبرے کے گنبد پر پہلے تو ایک گدھ اپنے پنجے ننگی اینٹوں کے درمیان جو سفید مصالحہ تھا اس میں گاڑھ کر بیٹھنا چاہتا تھا اور اب دیکھتے ہی دیکھتے کچھ اور گدھ آ گئے..اور وہ سب کے سب اس پر اتر کر اطمینان سے بیٹھ گئے اور انہیں دیکھنے لگے جو فوّاروں کی روش کے

اختتام پر ایک نیم شکستہ محرابی دروازے کی محرابوں میں آمنے سامنے بیٹھے..زندگی میں پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے..اور شاید مایوس ہو رہے تھے..

''تم مایوس ہوئی ہو؟''

''ہاں..کسی حد تک..''

مقبرہ جہانگیر میں پکنک منانے والے جو ہجوم تھے' وہ شہنشاہ کے تعویذ کے سامنے پُرفخر مسکراہٹوں سے لبریز تصویریں کھنچوا کر گھروں کو لوٹنے سے پیشتر تجسّس کی خاطر کہ ادھر ایک سوکھے ہوئے تالاب کے سامنے جو محرابی دروازہ کھلتا ہے اس کے دوسری جانب کیا ہے..وہ ادھر آ رہے تھے..اور آصف جاہ کے کمپاؤنڈ کی ویرانی اور تیز دھوپ میں آنکھیں جھپکتے بیزار ہوتے واپس جانے کو ہوتے تو ان کی نظر فوّاروں کی روش کے اختتام پر ایک نیم شکستہ محرابی دروازے کی زیریں محرابوں میں آمنے سامنے بیٹھے ان دونوں پر ٹھہر جاتی..وہ ان کی عمر رسیدگی کو دیکھتے کہ انہیں اس تنہائی میں الگ ہونے کا کیا چاؤ تھا اور لوٹ جاتے..

''تم..ایک عام سے شخص ہو..''

''ہاں..میں ہوں..''

''شاید میں نے سب کچھ تیاگ کر اپنے تئیں مرنے سے پیشتر تمہیں دیکھنے اور ملنے کی حماقت کی ہے...ماضی کی راکھ کریدنے سے صرف حرف ملتے ہیں..ان حرفوں کی آس میں..میں کتنے جتن کر کے یہاں آئی ہوں..اگر نہ آتی تو بہتر نہ تھا..''

''اس کا فیصلہ تو تم کر سکتی ہو..''

''تم نہیں کر سکتے..''

''نہیں..''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ میرے اختیار میں..میرے بس میں کچھ بھی نہیں..تم نے یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو نتالیہ میں ڈھالا..مجھے رودین بنایا..پچیس برس تک ایک قبر کی مانند خاموش رہیں اور پھر تم نے یہ فیصلہ کیا کہ..''

''میں مرنے سے پیشتر تمہیں دیکھنا چاہتی تھی..''

''تم موت کے ڈر سے ہراساں ہو گئیں..''

''ہاں..''

''اگر زندگی معمول کے مطابق گزرتی رہتی..تو یہ ہراس جنم نہ لیتا..''

''ہاں..''

''تو پھر اس میں میرا اختیار کہاں سے آجاتا ہے..میں تو ایک فراموش کردہ کٹھ پتلی تھا..اپنی حیات میں ساکن تھا جب تم نے دھاگوں کو جنبش دی اور مجھے متحرک کرلیا..طلب کرلیا''

''تم اپنے آپ کو بے اختیار کہتے ہو؟''

''ہاں..''

''میرے لیے کچھ بھی محسوس نہیں کرتے؟''

آصف جاہ کے ننگی اینٹوں والے گنبد پر ایک گدھ نے پر کھولے اور لاہور کی تپتی دوپہر کی تمازت سہارتے کھجوروں کے اس جھنڈ کی جانب اترتا گیا جہاں شاہ درّے کے زمانوں میں مغلوں کے قافلے قیام کرتے تھے..

''میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں..''

''اگر ایک انسان کے احساسات تمہارے پاس اتنی کاملیت میں ہوں کہ تم اس کی رگ رگ سے واقف ہو..اس کے دکھ سکھ کو محسوس کرکے دکھی اور سکھی ہوسکتے ہو..یہاں تک کہ اس انسان کے جو سگے ہیں' عزیز اور قریبی ہیں وہ بھی اس کی خصلتوں اور ذہن کے نہاں خانوں میں جو خیال بلبلوں کی طرح اٹھتے ہیں' ان سے آگاہ نہ ہوں..اور بے شک تم نے اسے کبھی نہ دیکھا ہو' تمہیں مکمل آگاہی ہو تو کیا پھر بھی کچھ محسوس کرنے کے لیے اس کی رفاقت ضروری ہے..اگر تم پہلی بار مجھے دیکھ رہے ہو تو یہ وہ ڈھانچہ ہے جس پر گوشت مڑھا ہوا ہے اور اس پر کچھ نقش نمایاں ہوتے ہیں' اسے دیکھنا نہ دیکھنا کیا اہمیت رکھتا ہے جب کہ تم اس ڈھانچے کے اندر جو روح تیرتی ہے اس سے خوب آشنا ہو..اتنا عرصہ میرے لہو میں ایک پرندے کی طرح تیرنے کے باوجود تم کہتے ہو کہ..میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں..بے شک میں نے یکطرفہ طور پر..تمہیں چاہا..کہ یہ ایک مذہب کی مانند ایک ایسا رشتہ تھا' جس میں عبادت اور وصل کی خواہش ہمیشہ یک طرفہ ہوتی ہے..اُدھر سے تو کوئی جواب نہیں آتا..خدا نے کبھی جواب دیا ہے؟''

رودین کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ آئی جس نے نتالیہ کے سامنے بیٹھے شخص کے درمیان عمروں کی تفاوت کو صفر کردیا تھا اور اسے سب کچھ ترک کرکے یہاں آنے اور اسے ملنے پر

کوئی ملال نہ ہوا تھا ''اگر اُدھر سے کبھی کوئی جواب نہیں آیا تو پھر تم جواب کی متمنی کیوں ہو؟''

''میری عبادت اور پرستش کے دوران موت کا ڈر آ گیا تھا..اور میں نے تمہیں پہلے بھی بلا جھجک بالکل کھری ہو کر بتایا تھا کہ اگر یہ ڈر نہ آتا تو میں بھی نہ آتی..''

''ہر مرد کی مردانگی کے تکبر کو بے جا الفت اور چاہت سے تسکین ملتی ہے..وہ بے شک ایک ابدی عشق خاص میں مبتلا ہو لیکن پھر بھی ایک اور محبت کی آنچ اسے گرما دیتی ہے..''

''ہاں..مجھے یاد ہے..تم ہمیشہ موازنہ کرتے تھے..کبھی یہ نہیں سوچتے تھے کہ میں ایک لڑکی ہوں..اور ایک اور لڑکی کی فضیلت اور قصے سن کر..مجھے دکھ ہوگا..تم کبھی خیال نہیں کرتے تھے..یاد ہے میں نے اپنے ایک خط میں عربی شیوخ کے حرم میں جو متعدد بیویاں ہوتی ہیں' ان کا حوالہ دے کر خواہش کی تھی کہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پہلے کوئی ہے یا نہیں..آیندہ کوئی اور ہوگی یا نہیں..اگر تم وہاں ہو گے تو میں مطمئن اور شانت ہوں گی..مجھے تنہا ملکیت کا کوئی چاؤ نہیں..میں شراکت میں بھی زندگی بسر کر سکتی ہوں..''

''اور اب..؟''

''میں اب بھی نہیں بدلی..''

''اب جب کہ شراکت کے لیے اور کوئی نہیں..''

''پچیس برس میں بہت کچھ آگے پیچھے ہو جاتا ہے..بدل جاتا ہے..''

''ایک اور محبت کی آنچ نے مجھے گرما دیا ہے..مجھ میں عمر رسیدگی نے جو یخ بستگی کی برفیں بھر کر میرے وجود کو حنوط کر دیا تھا تو وہ تمہیں سامنے پا کر زندہ ہونے لگا ہے..میں تمہارے لیے بہت کچھ محسوس کرتا ہوں..''

''میں تم پر بوجھ نہیں بنوں گی..''

''تم یہیں رہ جانے کے بارے میں سوچ رہی ہو؟''

''اگر تم مجھے رہ جانے کے لیے کہو تو..ٹکٹ اگرچہ ون وے ہے لیکن اسے ٹو وے میں بدلنے کے لیے محض چند سو ڈالرز کی حاجت ہے جو میرے پاس ہیں..''

''بچے کیسے ہیں؟''

''کس کے؟''

''تمہارے..''

''میں نہیں جانتی..''

''ان کی ماں ہو کر بھی نہیں جانتیں؟''

''میں نے انہیں جنا ہے..وہ میری کوکھ سے نکلے ہیں..میں نے ان تینوں کو دودھ پلایا ہے' ناصر بخاری کی سرزنش کے باوجود کہ کیوں فکر تباہ کرتی ہو..لیکن جونہی وہ میری گود سے نکل کر چلنے کے قابل ہوئے ہیں تو میرے لیے سراسر اجنبی ہو گئے ہیں..میں ان کے لیے کڑھتی ہوں' ترستی ہوں' لیکن انہیں مجھ سے کوئی سروکار نہیں..میں ابھی تک آستانۂ رومی کی ایک دیہاتن ہوں..کانونٹ اور کمیونزم کے باوجود ایک ماں کے طور پر اجڈ اور گنوار ہوں..شالا تجھے تتی ہوا نہ لگے..کی دعائیں کرتی ہوں..ان کے کبھی کبھار میرے بیڈروم میں جھانک کر''ہیلو ماما..لو یو ماما'' کہنے والے چہروں پر دَم درود پھونکتی ہوں..جی اٹھتی ہوں انہیں دیکھ کر..لیکن وہ ایسے پرائے ہو گئے ہیں..سراسر اجنبی ہو گئے ہیں کہ مجھے ان سے خوف آنے لگا ہے..یہ کون ہیں..میرے کیا لگتے ہیں..''

''تمہیں قلق نہیں ہوا انہیں چھوڑتے ہوئے؟''

''وہ تو دکھائی ہی کبھی کبھار دیتے ہیں..محض ان کے سامان اور منحوسات نے مجھے جکڑ دیا تھا..رودین جب ایک عورت بے شک وہ ایک ماں ہی کیوں نہ ہو..بے ضرورت اور فالتو ہو جائے..تو وہ ایک کونے میں پڑی پڑی اکتا جاتی ہے..مجھے معلوم ہے کہ میری کسی بھی اطلاع کے بغیر گمشدگی ان کے لیے صرف چند لمحوں کی تشویش کا باعث بنی ہو گی..جیسے ریموٹ کا بٹن دبانے سے ایک پسندیدہ چینل کا رابطہ کچھ دیر کے لیے معطل ہو جائے..ٹیلی ویژن سکرین پر سیاہ ترمرے ذرّے برسنے لگیں تو کوفت ہوتی ہے..بس اتنی دیر کے لیے ہی انہیں کوفت ہوئی ہو گی کہ ماما کدھر چلی گئیں..''

''اور تمہارا خاوند؟..''

''شاید میں نے تمہیں بتایا ہے..یا نہیں بتایا..میں بھول گئی ہوں..نہیں بتایا ہو گا کیونکہ ہم تو پہلی بار ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں..وہ گوروں سے بھی زیادہ گورا ہونا چاہتا تھا..میری اولاد کی بے راہروی...میں تو اسے بے راہروی ہی کہوں گی کیونکہ میں آستانۂ رومی کی ایک گنوار اجڈ دیہاتن ہوں..اس کا بہت بڑا حصہ ہے..وہ عیدین پر بھی چھٹی نہیں کرتا..لیکن ہیلووئن بڑے شوق اور جذبے سے مناتا ہے..کرسمس کے دن آتے ہیں تو پورے نیبرہڈ میں سب سے بڑا..

سجا ہوا..اور قمقموں سے دمکتا ہوا ہمارا کرسمس ٹری ہوتا ہے....اور ہماری بڑی کھڑکی کے عین آگے بلند ہوتا ہے تاکہ ہمسائے فٹ پاتھ پر سے گزرتے..ڈرائیو کرتے ہوئے اسے دیکھ سکیں اور رشک کر سکیں کہ یہ موزلم تو ہم سے بھی بڑھ گئے ہیں..صحیح امریکی ہیں..''

''کیا تم اسے موردِ الزام ٹھہرا سکتی ہو..''

''نہیں..قصور میرا ہے جو میں بدل نہیں سکتی..وہ ہمہ وقت کڑھتا رہتا ہے..اس کے کچھ دوست ایسے ہیں جن کے گھر ہم سے بڑے اور وسیع ہیں..ان کی کاریں سڑک سے یکدم ان کے گیراج میں نہیں آ جاتیں بلکہ ان کے ٹائروں کے لیے ایک طویل ڈرائیو ہوتی ہے اور تب جا کر گھر اور گیراج سامنے آتا ہے..اور سوئمنگ پول ہیں..یہاں تک کہ ان کے گیراج بھی سنٹرل ہیٹڈ ہیں..یعنی پھاٹک سے لے کر گیراج تک وہ ڈھکے ہوتے ہیں..راستے میں برف کے انبار نہیں ہوتے..تو وہ ان آسائشوں اور آسانیوں کے لیے کڑھتا رہتا ہے..''

''وہ سراسر امریکی ہو چکا ہے..اپنے آپ کو ڈھال چکا ہے..''

''ہاں..لیکن اس کے ساتھ ساتھ حال ہی میں اس میں ایک بہت بڑی تبدیلی آئی ہے..کہاں تو وہ آستانۂ رومی کے پس منظر سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا..اپنے مذہب اور روایات کا تقریباً منکر ہو چکا تھا اور ان دنوں وہ مذہب کی جانب مائل ہو گیا ہے..پاکستان سے جانے والے ان نعت خوانوں کی محفلوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتا ہے جو پنجاب کے دوافتادہ دیہات میں میراثی ہونے کے ناتے سے گانے بجانے کا کام کرتے تھے اور اب سبز ٹوپیاں اور تلے دار لبادے پہن کر اپنے پرسوز اور تجربہ کار گلے کے باعث امریکہ اور یورپ میں نیم خواندہ پاکستانیوں میں ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں..وہ وجد میں آ کر ان پر ڈالروں کے نوٹ بھی برساتے ہیں..تمہارے ہاں سے جو علمائے کرام بڑی باقاعدگی سے ہمارے ہاں آتے ہیں ناصر بخاری ان کے قدموں میں بیٹھ کر اپنی مغفرت کی التجا کرتا ہے..''

''وہ اتنا بدل گیا ہے..''

''ہاں..بس یہ ہے کہ اپنے سفید فام امریکی دوستوں کے ساتھ ڈرائی مارٹینی شیئر کرنے کے بعد جب وہ گھر لوٹتا ہے تو مجھے شدید سرزنش کرتا ہے کہ تم باقاعدگی سے نماز نہیں پڑھتیں..فوراً نماز کی نیت کرو..اور میں مجبوراً مصلے پر کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر نماز کی نیت کر لیتی ہوں' اگرچہ اس لمحے کسی بھی نماز کا وقت نہیں ہوتا..اور کہتا ہے کہ بلند آواز میں پڑھو..اور

جب میں پڑھتی ہوں تو وہ مجھے ٹوکتا ہے کہ کمبخت عورت کیوں اپنے آپ کو اور مجھے گنہگار کرتی ہو..تلفظ درست کرو..''

''اس کے خون میں جو پیر مٹھا ہے..شاید یہ اس کا اثر ہے..''

''میں ہمیشہ سے اپنے اس بزرگ سے خوفزادہ رہی ہوں..ان کی داستانیں سنتی رہی ہوں..لیکن پیر مٹھا بننے کے لیے تو ایک خودفراموشی درکار ہے..اپنے آس پاس سے بیگانہ ہو جانا شرط ہے..لیکن ناصر بخاری مکمل طور پر بیگانہ نہیں ہوتا..ایک بڑے گھر اور ایک بڑے سوئمنگ پول کے لیے ترستا رہتا ہے..کڑھتا رہتا ہے..تم کیسے ہو؟''

''میں..'' وہ چونک گیا۔

''ہاں تم..''

''میں..'' وہ بہت دیر سے اس کے دُکھڑے سن رہا تھا..وہ اپنے آپ میں مگن اپنی پوری حیات کی پوتھی کا ایک ایک ورق کھول رہی تھی..اسے سنا رہی تھی اور جب یکدم اس نے پلٹ کر یہ سوال کیا کہ تم کیسے ہو..تو وہ بیدار ہوا..چونک گیا..

''میں..زندگی سے مطمئن ہوں..خوش ہوں..حالانکہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں..''

نتالیہ نے ٹھٹک کر اس کی جانب دیکھا..

آصف جاہ کے گنبد کی ننگی اینٹوں پر بیٹھنے کی کوشش کرنے والے ایک گدھ کے بھار سے کوئی ایک سرخ اینٹ قدیم چونے کی پکڑ سے علیحدہ ہوئی اور لڑھکتی ہوئی نیچے گر گئی..تعویذ کے سامنے جو بلند محراب تھی اس کے تلے چند اینٹیں پہلے بھی پڑی تھیں..وہ ان میں گر کر انہی کی مانند ساکن ہو گئی..

شاید یہ اولڈ ایج ہے..اس نے ٹھٹک کر اس کی جانب دیکھا..لیکن وہ اتنا عمر رسیدہ تو نہیں کہ دماغی طور پر کھسک جائے..چار مرغابیوں اور خوشی کا تعلق اس کی سمجھ میں نہ آیا..یقیناً اس کے ذہن میں اس کا کوئی فلسفیانہ مفہوم ہو گا جو میری گرفت میں نہیں آ سکا..

''یقیناً..'' اس نے صرف اتنا کہا اور سر ہلایا اور سر ہلانے سے صلیب کی زنجیر ذرا کھسکی اور اس نے محسوس کیا کہ جگہ بدل کر جب وہ اس کے ماس کے ایک نئے حصے پر تھمی ہے تو اس میں موسم کی حدت تھی..گرم تھی..